© rasailojaraid.com

پاکستان، جنوبی افریقہ اور پھر پاکستان

(۲)

از سعید احمد اکبر آبادی

۸ مارچ کو صبح نو بجے کانفرنس کا افتتاح صدر ضیاء الحق کے ہاتھوں نیشنل اسمبلی ہال میں ہونے والا تھا، ہم لوگ ۸-۴۵ پر وہاں پہنچ گئے اور اپنی اپنی مقررہ سیٹ پر بیٹھ گئے، پاکستان میں نیشنل اسمبلی اسی کو کہتے ہیں جسے ہندوستان میں پارلیمنٹ کہتے ہیں، اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہاں پارلیمنٹ ہاؤس کی جو شان و شوکت اور نوعیت و وسعت ہے وہی وہاں نیشنل اسمبلی کی ہوگی، البتہ فرق قدیم و جدید اسلوبِ تعمیر و ساخت کا ہے، ہندوستان کا پارلیمنٹ ہاؤس انگریزوں کے زمانہ کا بنا ہوا ہے اس لیے اس کی چھت بہت اونچی، ستون اور دیواریں بہت غلیظ اور دبیز اور مجموعی حیثیت سے سلاطین قدیم کی قبائے شاہی کی طرح نہایت باوقار، پرشکوہ اور بارعب۔ اس کے برخلاف پاکستان کی نیشنل اسمبلی کی عمارت بالکل ایسی کہ گویا ایک نئی نویلی حسین دلہن غسل کے بعد بال بکھرائے ہوئے منظرِ عام پر آگئی ہو، سبک اور دلکش مگر ساتھ ہی سنجیدہ اور متین، خاموش مگر بزبانِ حال گویا۔ چونکہ یہ جلسۂ افتتاح تھا اس لیے حسبِ معمول مندوبین کے علاوہ وزراء، افسرانِ حکومت، ممالکِ غیر کے سفراء اور دوسرے مہمانوں سے ہال بھرا ہوا تھا، ہال کے اندر، دروازوں پر اور ہال سے باہر ہر جگہ سیکیورٹی کے انتظامات بہت وسیع اور سخت تھے۔

ٹھیک نو بجے صدر ضیاء الحق پہنچ گئے، اب پہلے قرآن مجید کی تلاوت ہوئی، مسٹر اے۔ کے بروہی نے صدر استقبالیہ کی حیثیت سے اپنا خطبہ انگریزی میں پڑھا جس میں کانفرنس کے اغراض و مقاصد اور ان کی اہمیت پر بڑی فصاحت و بلاغت سے کلام کیا گیا تھا۔ اس کے بعد صدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضیاء الحق نے بسم اللہ پڑھ کر فصیح و بلیغ اور شستہ اردو میں خطبہ پڑھا۔ یہ خطبہ زبان و بیان کی خوبیوں کے علاوہ علم، شعور اور جذبہ، تینوں کا ایک حسین مجموعہ تھا۔ یعنی علم اس بات کا کہ اسلام کیا ہے؟ اور اس نے دنیا کو کیا سے کیا بنا دیا ہے اور شعور اس چیز کا کہ موجودہ زمانہ میں سائنس اور ٹکنالوجی کی غیر معمولی اور حیرت انگیز ترقی کے باعث آج جو سماجی اور اقتصادی مسائل و معاملات پیدا ہو گئے ہیں ان کا حل اسلام کو کس طرح کرنا چاہیے، پھر چونکہ دنیا کا کوئی کام بغیر جذبہ کے نہیں ہوتا۔ اس لیے خطبہ میں جذبہ کی کمی بھی نہیں تھی، خطبہ عام طور پر بہت پسند کیا گیا اور ہم سب نے محسوس کیا کہ گویا یہ ہمارے اپنے دل کی ہی ترجمانی تھی، اس کے بعد قومی ترانہ ہوا اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

صدر ضیاء الحق سے میری ملاقات اور گفتگو جیساکہ عام دستور ہے اب سب شرکائے جلسہ کافی یا چائے کے لیے ایک بڑے اور وسیع ہال میں جمع ہوئے، صدر پاکستان اس بارات کے دولھا تھے، چاروں طرف سے انھیں ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات وجرائد کے نامہ نگاروں اور فوٹوگرافروں نے گھیر رکھا تھا، اسی ہجوم میں مسکراتے وہ آگے بڑھتے جاتے اور لوگوں سے فرداً فرداً علیک سلیک اور مصافحہ کرتے جاتے تھے، آخر ہال کے وسط میں وہ رک کر کھڑے ہو گئے اور لوگ وہیں آ آ کر ان سے ملنے لگے، میں حسب عادت ذرا فاصلے پر میاں اسلم کے ساتھ کھڑا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا، اسی مجمع میں دیکھا کہ ہمارے انڈین ڈیلی گیشن کے سب ارکان بھی باری باری آکر شرف ملاقات و مصافحہ حاصل کرتے رہے، سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب کو دیکھا کہ آگے بڑھ کر سلام کیا۔ صدر مملکت نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، مصافحہ ہوا، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ سید صاحب نے کچھ کہا اور صدر مملکت نے جواب دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ صباح الدین عبدالرحمن نے دریافت کیا تھا: "آپ نے ہماری وزیر اعظم اندرا گاندھی کا وہ خطبۂ افتتاحیہ بھی پڑھا ہے جو انھوں نے گزشتہ ماہ دسمبر میں چودھویں صدی ہجری کے آغاز کی تقریب سے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ نئی دہلی میں پڑھا تھا؟ مطلب یہ تھا کہ اگر آپ نے یہ تقریر پڑھی ہے تو عالم انسانیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خصوصاً ہندوستان کا اسلام کی دینی اور تہذیبی شخصیت کے بارہ میں مسز اندرا گاندھی نے جن زریں افکار و خیالات کا اظہار ایک خاص موقع کی زبان سے کیا ہے، آپ اس سے یقیناً مسرور ہوئے ہوں گے، ضیاء الحق صاحب نے جواب دیا: جی ہاں! بس جتنی اخبارات میں چھپی ہے،

جب مجمع چھٹا تو میاں اسلم نے کہا: آپ بھی صدر صاحب سے مل لیجیے! میں نے کہا: "اچھا" اور آگے بڑھ کر السلام علیکم کہا۔ صدر ضیاء الحق نے جواب میں ابھی صرف "وعلیکم" کہا تھا کہ ان کی نگاہ مجھ پر پڑی اور انھوں نے مسرت آمیز تبسم کے ساتھ یہ کہتے ہوئے کہ ارے جناب! آپ تو ہمارے استاد ہیں، بیساختہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے سینہ سے لگا لیا، اس کے بعد یہ گفتگو ہوئی:

س: ضیا صاحب! آپ نے کمال کر دیا، کم و بیش چالیس برس کے بعد مجھے دیکھا اور پہچان لیا،

ض: پہچانتا کیوں نہیں؟ دو برس تک آپ سے پرشین پڑھی ہے، اور پھر آپ میں تبدیلی کیا ہوئی ہے؟ اب تک آپ کے Features (خد و خال) تو وہی ہیں [1]

س: جب آپ پاکستان میں برسرِ اقتدار آئے تھے سب سے پہلے پروفیسر امیر حسن عابدی (دلی یونیورسٹی) نے جو اس زمانہ میں کالج میں میرے رفیقِ کار تھے اور اس کے بعد مسٹر محمد احمد سینیر ایڈوکیٹ سپریم کورٹ، نئی دہلی نے جو آپ کے کلاس فیلو تھے مجھ کو یاد دلایا تھا کہ آپ میں

---

[1] جس کالج کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد دہلی کا بہت مشہور، دیرینہ نامور سینٹ اسٹیفنس کالج ہے۔ میں ۱۹۳۴ء و ۱۹۳۵ء میں دو برس یہاں طالب علم رہا۔ ۱۹۳۶ء میں دہلی یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ۱۹۳۸ء میں کالج میں لکچرر مقرر ہوا اس کے بعد رہا میں کالج ہی میں مگر دلی یونیورسٹی میں اولاً عربی میں ریڈر اور تقسیم کے بعد صدر شعبۂ عربی فارسی و اردو ہوا۔ ۱۹۴۹ء کے شروع میں مولانا ابوالکلام آزاد نے پرنسپل کلکتہ مدرسہ کے عہدہ پر کلکتہ بھیج دیا۔ صدر ضیاء الحق سے میرا تعلق غالباً ۱۹۴۴ء و ۱۹۴۵ء میں رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[illegible] میں رشتہ ہے۔ ان کے علاوہ کالج سے تعلق رکھنے والے کچھ اور لوگوں نے بھی اس کا تذکرہ کیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ مجھ کو یاد نہ تھے، اس لیے میں سب کی سنتا رہا اور خود اپنی زبان سے ایسی بات نکالنے کی جرأت نہیں ہوئی جس سے خودستائی کا پہلو نکلتا تھا، لیکن اب جبکہ آپ خود فرما رہے ہیں اور پھر آپ کو دیکھ کر آپ کی شکل وصورت کا پرانا نقش میرے دماغ میں اجاگر بھی ہو گیا ہے تو میں اللہ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں کہ اب سے چالیس برس قبل جس نوجوان سے کالج میں میرا تعلیم وتعلم کا رابطہ تھا وہ آج مسند آرائے صدارتِ مملکتِ خداداد پاکستان ہے، فالحمد للہ۔

ض: اچھا! بتائیے کالج کا کیا حال ہے؟ بڑا اچھا کالج ہے، مجھے اس سے بڑی محبت ہے،

س: آپ کے زمانہ میں پرنسپل راجارام تھے، ان کا انتقال ہو گیا، بڑی خوبیوں کے انسان تھے، ان کے بعد سرکار پرنسپل ہوئے اور آج کل راج پال پرنسپل ہیں، ہمارے زمانہ میں کیشب چندر ناگ اقتصادیات کے اور مہا مہوپادھیایا پنڈت لچھمی دھر سنسکرت کے بڑے فاضل استاد تھے، دونوں سورگباش ہو گئے، فلسفہ والے بوس اور تاریخ کے کپاڈیا ابھی بقیدِ حیات ہیں، مگر ریٹائرڈ ہو چکے ہیں، رہی یہ بات کہ کالج بڑا اچھا ہے، تو حضرت! اگر کالج اچھا نہ ہوتا تو اس سے آپ کا اور میرا یہ گہرا تعلق کیوں کر ہوتا، ضیاء الحق صاحب نے یہ سن کر نیم قہقہہ لگایا اور بولے: ماشاء اللہ آپ کی شگفتہ طبعی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، پھر میں نے کہا: بڑی بات یہ ہے کہ یہ کالج مشن کا ہے اس لیے یہاں انسانیت کی قدریں محفوظ ہیں، چنانچہ تقسیم کے بعد دلی میں وحشت وبربریت نے جو عریاں رقص کیا ہے اور ہم پر جو قیامت گزری ہے اس کے بعد [illegible] اگر میں ہندوستان میں ہوں تو اس میں میرے اپنے افکار ونظریات کے علاوہ بڑا دخل اس دلجوئی، ہمدردی اور غمگساری کا بھی ہے جو اس موقع پر کالج نے دکھائی[1] یہ گفتگو دراز ہوتی جا رہی تھی، چاروں طرف جو لوگ حلقہ بنائے کھڑے تھے

[1] اس کی تفصیل یہ ہے کہ دلی میں فسادات کے اکا دکا واقعات کے باوجود [illegible] میں [illegible] زبانی [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم نے محسوس کیا کہ انھیں آزردگی ہو رہی ہے اس لیے میں نے ہی سلسلۂ کلام منقطع کرتے ہوئے کہا: اچھا! اب اجازت دیجیے' فرمایا: تو آپ پھر ملیں گے نا! میں نے کہا: ضرور، کل آپ کے ہاں حسنہ یہ کا ڈنر ہے' میں حاضر ہوں گا۔

(بقیہ حاشیہ ص۳) برابر کالج اور یونیورسٹی آتا جاتا رہا، ۵ ستمبر کو صبح کے آٹھ بجے جب ہم لوگ ناشتہ کر رہے تھے میرے مکان نمبر ۱، نسیم بلڈنگ، شیدی پورہ پر حملہ ہوا تو میں اپنا بھرا گھر اسی حالت میں چھوڑ کر بیوی بچوں سمیت پچھلے دروازہ سے باہر نکل گیا۔ نصف فرلانگ کے فاصلہ پر بگور روڈ پر ایک کوٹھی میں نیچے کی منزل میں ندوۃ المصنفین اور برہان کا دفتر تھا اور بالائی منزل میں مفتی صاحب (مولانا عتیق الرحمن عثمانی) مع متعلقین کے رہتے تھے، خانہ خراب ہونے کے بعد میں نے یہیں پناہ لی، شام کے وقت مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی جو رشتہ کے میرے بھائی ہوتے تھے اور دن رات ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھے مسلمانوں کی مدد کے لیے پورے شہر میں دیوانہ وار گھومتے رہتے تھے انھوں نے آکر خبر دی کہ میرا مکان بالکل صاف ہو گیا ہے اور اب وہاں کچھ نہیں رہا۔ بیوی اور بچے یہ سنتے ہی رو پڑے، میں نے کہا: شکر ادا کرو آزادی کی دیوی نے بھینٹ میں جانیں تو بخش دیں۔"

ابھی دفتر ندوۃ المصنفین میں پناہ لیے ہوئے ایک دن ہی گذرا تھا کہ ۷ ستمبر کو حملہ آوروں کا ایک ہجوم ہاتھوں میں بلم لیے اور "بجرنگ بلی" کا نعرہ لگاتے ہوئے ہماری طرف بڑھے، اس وقت پورے محلہ میں بھگدڑ مچ چکی تھی، اور مسلمان مرد، عورتیں اور بچے، بوڑھے اور جوان سر پر پیر رکھ کر کارواں در کارواں بے تحاشہ بھاگے چلے جا رہے تھے، مفتی صاحب اور میں ہم دونوں نے ندوۃ المصنفین کی شاندار لائبریری دفتر کے ساز و سامان، قیمتی فرنیچر اور مکتبۂ برہان میں بھری ہوئی کتابیں ان سب پر ایک حسرت کی نگاہ ڈالی اور انھیں خدا حافظ کہہ کر اپنے متعلقین کے ساتھ دفتر کے گیٹ سے نکل کر انھیں ہلاکشان اسلام کے کاروان میں آملے، ہم گرتے پڑتے اور عورتیں اور بچے ہمارے پیچھے گھسٹتے سراسیمہ و حیران انسانوں کے اس سیل رواں میں چلے تو جا رہے تھے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ (باقی ص۳۲ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدر پاکستان کا استقبالیہ دوسرے دن یعنی ۸ مارچ کو پروگرام کے مطابق صدر مملکت کی طرف سے مندوبین کا ڈنر تھا اور اس کے لیے دعوتی کارڈ تقسیم ہو بھی چکے تھے، لیکن وہ وقت کے وقت منسوخ ہو گیا۔ اور ہم نے کھانا ہوٹل میں ہی کھایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں، جیسا کہ عام طور پر

(بقیہ حاشیہ صـ۳۱) کہاں جا رہے ہیں۔ آخر ایک محلہ قصاب پورہ آیا، یہ محلہ محفوظ تھا۔ یہاں کے مسلمان بڑے بہادر اور جی دار ہیں۔ ہم لوگ جب یہاں پہنچے تو ان لوگوں نے ہم کو روک کر اپنا مہمان بنا لیا۔ عورتوں کا انتظام ایک الگ مکان میں تھا اور مرد مختلف مکانوں میں بکھرے ہوئے تھے، ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، مفتی صاحب اور میں ایک بہت معمولی کمرہ میں ایک چٹائی پر جا کر پڑ گئے، شام کے وقت کسی کو خیال آیا تو باجرے کی دو روٹیاں اچار کے ساتھ لا کر دیں دو وقت کے فاقہ کے بعد اس روٹی اور آم کے اچار نے کیا مزہ دیا ہے کام و دہن آج تک اس کو نہیں بھولے، دوسرے دن مفتی صاحب اور میں مسجد فتحپور کے جامع مسجد کے غرب میں ادارہ شرقیہ نام کا ایک ادارہ تھا اس میں منتقل ہو گئے۔

اب سنیے کالج نے کیا کیا؟ جس وقت کالج کے پرنسپل راجارام اور وائس پرنسپل ڈبلو۔ سی داکر کو میرے حادثہ کا علم ہوا دونوں فوراً کار میں بیٹھ کر میری تلاش میں نکل پڑے، پرانا قلعہ جو رفیوجی کیمپ بنا ہوا تھا وہاں اور دوسری جگہوں پر گئے مگر کوئی پتہ نہیں چلا، سخت پریشان تھے کیا کریں آخر تیسرے دن کسی سے ان کو میرا سراغ ملا تو دونوں فوراً ادارہ شرقیہ پہنچے، راجارام نے مجھے دیکھا بیساختہ رو پڑے، سینہ سے لگا لیا اور بولے: سعید! میرا گھر تمہارا گھر ہے یہ نہ سمجھنا کہ تمہارا گھر لٹ گیا ہے، ابھی میرے ساتھ چلو اور جو چیزیں چاہو بے تکلف لے لو۔ اس کے بعد کھانے پینے کا سامان جو نہایت وافر لائے تھے میرے حوالہ کیا اور ساتھ ہی چند سو روپے نقد پیش کیے اور جب چلنے لگے تو یہ بھی کہتے گئے کہ: بہتر یہ ہے کہ تم مراد آباد یا رام پور جہاں تمہارے عزیز و قریب ہیں چلے جاؤ، کالج کی فکر نہ کرو، جب تک حالات بالکل پر امن نہ ہوں وہاں رہو، کالج سے تنخواہ بہرحال ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو تمہیں ملتی رہے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Accession No. 82843
Date 15 ...

معلوم ہے کہ تخریب کاروں نے پاکستان کا ایک بڑا جہاز جس میں ڈیڑھ سو مرد و زن اور بچے سوار تھے، اغوا کر لیا تھا اور لے کر وہ کابل میں جا پڑے تھے، اس حادثہ کی وجہ سے مسافروں پر کیا گزری؟ معلوم نہیں تھا، ان بدبختوں نے مزید یہ کیا کہ ایک نوجوان سول آفیسر عبدالرحیم طارق کو گولی مار کر ہلاک کر دیا اور اس کی لاش باہر پھینک دی۔ ۸ مارچ کی شام کو اس نوجوان کی میت پشاور پہنچ رہی تھی جہاں کا وہ باشندہ تھا۔ صدر پاکستان نے اس میت کے اعزاز میں یہ ڈنر منسوخ کر دیا تھا اور خود نماز جنازہ میں شرکت اور پسماندگان سے تعزیت کے لیے پشاور گئے بھی تھے۔

پروگرام میں اس ناگہاں تبدیلی کے باعث صدر ضیاء الحق سے ۸ مارچ کی متوقع ملاقات نہ ہو سکی، البتہ ایک اور صورت یہ پیدا ہوئی کہ ۱۰ مارچ کو یعنی جس دن کانفرنس ختم ہو رہی تھی مغرب کے بعد صدر کی طرف سے ہم لوگوں کا استقبالیہ تھا، میں نے دیکھا تو نہیں مگر سنا ہے کہ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ایک کروڑ کی لاگت سے نہایت عالیشان قصر صدارت تعمیر کرایا تھا۔ جنرل ضیاء الحق اب صدر پاکستان ہیں اور انھیں حق ہے کہ اس قصر میں رہیں، لیکن وہ حسب سابق اب تک راولپنڈی میں کمانڈر ان چیف کی رہائش گاہ میں رہتے ہیں، چنانچہ یہ استقبالیہ وہیں ہوا،

مغرب کے بعد ہوٹل سے مندوبین کا کارواں روانہ ہوا، صاف و شفاف، وسیع و کشادہ سڑکیں، ان کے اردگرد درختوں کی قطاریں، خاموش ماحول، مترنم فضا، ہلکی چاندنی کی سفید شال لپٹی ہوئی۔ اس میں شاندار امریکن کاروں کا دلکش بندش اور آگے پیچھے برق رفتاری کے ساتھ چلنا ایک عجیب رومانوی منظر پیدا کر رہا تھا جس سے میں کافی متاثر ہوا، راستہ میں وہ جیل خانہ بھی دیکھا جس میں بھٹو قید رہے اور پھر تختۂ دار پر چڑھا دیے گئے، اس پر نظر پڑی تو بے ساختہ زبان سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible]) چنانچہ میں مع متعلقین کے رام پور چلا گیا، تین ماہ کے بعد دلی آ کر کالج آنا شروع کر دیا، کالج کی فضا اس درجہ پرامن و سکون تھی کہ اس دور وحشت و بربریت میں محسوس ہوتا کہ انسانیت ابھی باقی ہے، فنا نہیں ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکلا: تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ: اے خدا تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے اور سب بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔"

منزلِ مقصود پر پہنچنے کے بعد ہم سب مندوبین ایک بڑے ہال میں دائرہ کی شکل میں بٹھا دیے گئے، ہر ملک کے ڈیلی گیشن کو الگ الگ ملنا تھا۔ بیٹھے ہوئے ہم کو تھوڑا ہی وقفہ ہوا تھا کہ ایک شخص نے کہا: انڈیا کے ڈیلی گیشن کو بلاتے ہیں، ہم ہال سے نکلے تو ایک چھوٹے کمرہ میں داخل ہوئے، اس کمرہ کے وسط میں صدر ضیاء الحق تبسم بلب نہایت عمدہ کٹ کی شیروانی اور شلوار میں ملبوس کھڑے تھے ہم جگ اندر داخل ہوئے، علیک سلیک کے بعد مصافحہ کیا اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن سید اوصاف علی اور ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے خموشی کے برف کو توڑنے کی غرض سے دو چار جملے کہے، صدر صاحب مسکراہٹ کے ساتھ انھیں اس طرح سنتے رہے کہ گویا ان سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ میں حسبِ عادت بالکل خاموش رہا۔ چند منٹ کے بعد ہم رخصت ہوئے تو میں سب سے پیچھے تھا، میں نے الوداعی سلام اور مصافحہ کیا تو صدر ضیاء الحق نے مجھ کو روک لیا، مسٹر اے۔ کے رویچی بھی اس وقت وہاں کھڑے ہوئے تھے، اب ہم دونوں میں یہ گفتگو ہوئی:

ض: میری تو خواہش تھی کہ کانفرنس کے ختم ہونے کے بعد آپ دو چار دن اور یہاں قیام کرتے اور میرے مہمان رہتے۔

س: شکریہ! مگر میرا ریزرویشن ہو گیا ہے، کل صبح روانہ ہو جاؤں گا۔

ض: آپ کا پروگرام کیا ہے؟ کہاں کہاں جائیے گا۔

س: یوں تو پاکستان میں ہر جگہ میرے اعزہ واقربا موجود ہیں، لیکن میری ایک بیٹی ریحانہ جو پروفیسر محمد اسلم (پنجاب یونیورسٹی) کی اہلیہ ہے، لاہور میں ہے اور دوسری بیٹی مسعودہ اور ایک بیٹا جنید احمد کراچی میں ہیں اس لیے میں پہلے لاہور جاؤں گا اور پھر کراچی، وطن کو واپسی بہرحال لاہور سے ہوگی۔

ض: اچھا! تو پھر ایسا کیجیے کہ واپسی پر میرے پاس چند روز قیام کیجیے۔

س: بہت بہتر! شکریہ۔

© rasailojaraid.com

[illegible] (اپنے سکریٹری کی طرف اشارہ کرکے) آپ ان کو اپنا لاہور اور کراچی کا ایڈریس دے دیں اور یہاں کا پتہ اور ٹیلیفون نمبر لکھ لیں۔

میں نے انڈین ڈیلیگیشن کی طرف سے صدر پاکستان کا ان کی نہایت فیاضانہ میزبانی اور خصوصی الطاف و عنایات پر شکریہ ادا کیا اور رخصت ہونے لگا تو فرمایا: "آپ لاہور اور کراچی میں اپنی بیٹیوں کو دعا کہیے اور یہ کہہ دیجیے کہ جب کبھی انھیں کوئی ضرورت ہو بے تکلف یاد کرلیں" میں نے اس کا مزید شکریہ ادا کیا اور ایک گوشہ میں جاکر سکریٹری کو اپنا لاہور اور کراچی کا ایڈریس نوٹ کرایا اور خود یہاں کا ایڈریس اور فون نمبر نوٹ کیا، اب میں پھر واپس لوٹا اور صدر صاحب اور مسٹر اے۔ کے بروہی کو الوداعی سلام کرکے روانہ ہونے لگا تو صدر پاکستان نے ازراہ لطف و کرم خاص اپنے اُس آخری جملہ کو پھر دہرایا یعنی: اپنی بیٹیوں سے کہہ دیجیے ......" اس وقت میں نے دیکھا کہ بروہی صاحب جو خود اعلیٰ صفات و اخلاق کے بزرگ ہیں ان کے چہرہ پر ایک خاص قسم کی چمک اور لبوں پر مسکراہٹ طاری ہوگئی، غالباً اس کا سبب ان کا یہ احساس تھا کہ اللہ کے فضل و کرم سے ان کا صدر پاکستان کس درجہ شریف النفس اور کریم الطبع ہے کہ ایک انڈین جس سے کبھی دو حرف پڑھے تھے اس کے ساتھ اس درجہ شفقت اور التفات و توجہ کا معاملہ کر رہا ہے، یہ ہماری اسلامی اور مشرقی تہذیب کی وہ قدریں ہیں جن کا دامن برصغیر کی نئی نسلوں کے ہاتھوں تار تار ہو رہا ہے اور ہماری یونیورسٹیاں اور تعلیم گاہیں، وہ علی گڑھ میں ہوں یا کراچی میں، آئے دن ہنگاموں اور فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنتی جارہی ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ خود میں بھی اس سے اس قدر متاثر ہوا کہ غالب کا یہ شعر میرے حسب حال تھا: ؎

میں اور حظِّ وصل! خدا ساز بات ہے
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

صدر ضیاء الحق اور بروہی صاحب نے "خدا حافظ" کہا اور میں باہر آکر اسی ہال میں بیٹھ گیا۔ یہاں چائے اور کافی کا دور چل رہا تھا، اس میں شریک ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر ذکر خیر | بعض ممالک کے مندوبین نمٹ چکے تو اب پاکستانی مندوبین کی باری آئی۔ میاں اسلم
ہیں مندوبین کے ساتھ صدر مملکت سے ملے تھے، واپس آکر انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ صدر صاحب
سامنے آپ کا ذکر خیر ہماری موجودگی میں بھی آیا تھا۔ میں نے پوچھا: وہ کیسے ؟ بولے: ہمارے
تھے جو مندوب تھے ان میں سے ایک صاحب نے صدر ضیاء الحق کی مدح سرائی کرتے ہوئے
میں اس کی مبارکباد پیش کی کہ کانفرنس بہت کامیاب رہی ہے اور اسی ذیل میں انھوں نے مزید
یا: چنانچہ بھارت کے مندوب پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی نے سہ پہر کے آخری اجلاس میں جو تقریر کی
ی اس میں انھوں نے انڈین ڈیلیگیشن کی نمائندگی کرتے ہوئے کانفرنس کی بڑی تعریف کی اور اس کی
ن خصوصیات کا جن کو انھوں نے اسی نوع کی دوسری بین الاقوامی کانفرنسوں میں کہیں نہیں دیکھا، تذکرہ
یا اور اس سلسلہ میں اس بات کو بھی سراہا کہ کانفرنس کے مندوبین میں خواتین کی تعداد بھی اچھی خاصی
ی۔" صدر صاحب یہ سن کر مسکرائے اور میری (اسلم) کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "مولانا سعید احمد
کبرآبادی) کے یہ داماد کھڑے تو ہیں۔"

صدر ضیاء الحق کی شخصیت | دنیا کے ہر بڑے انسان کے اندر ایک جوہر ذاتی ہوتا ہے جو اس کی شخصیت
کی تعمیر کرتا ہے، لوگوں کی اس شخص کے ساتھ ...... محبت یا نفرت اسی جوہر ذاتی کے باعث ہوتی ہے۔
س کا تعلق سیاسی افکار و نظریات اور سیاسی کردار و عمل سے نہیں ہوتا، چنانچہ بعض مذہبی رہنماؤں اور
پیشواؤں کو دیکھا ہے کہ اونچے درجہ کے کمیونسٹ بھی ان سے محبت اور ان کا احترام کرتے تھے اسی
طرح متعدد صف اول کے کمیونسٹوں کو دیکھا ہے کہ مذہبی لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی بڑی عزت
اور توقیر تھی۔ حسن اتفاق سے مجھ کو عالم اسلام کے متعدد سربراہان حکومت سے ملاقات و گفتگو اور
ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے اور ان سے میں نے مختلف تاثرات لیے ہیں، مثلاً کنگ
حسن خامس (مراکو) شاہ فیصل (سعودی عربیہ) جمال عبدالناصر (مصر) احمد بن بیلو (نائیجریا)
سے ملاقات و گفتگو ہوئی تو مجھ کو ان کی شخصیتوں میں عظمت اور اخلاص فکر و عمل کا احساس ہوا
ہے۔ اسی طرح پنڈت جواہر لال نہرو اور اب مسز گاندھی کے پاس جب کبھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے

© rasailojaraid.com

میں نے یک گونہ محسوس کی ہے۔ ملکی پریذیڈنٹ سوکارنو (انڈونیشیا) اور ذوالفقار علی بھٹو (پاکستان) سے ملاقات وہم کلامی کے بعد مجھے تاثر یہ ہوا کہ ان کی ذہنی اور دماغی صلاحیت وقابلیت میں شک نہیں ہو سکتا لیکن لہٰذا یہ کمانڈرے، خوش وضع اور بے کیریکٹر (Character less) ہیں۔

جہاں تک صدر ضیاء الحق کا تعلق ہے، مجھے اعتراف کرنا چاہیے، ان کے متعلق میں نے اخبارات میں جو کچھ پڑھا تھا اس کے پیشِ نظر میرا تصور یہ تھا کہ ان کے خد و خال ہٹلر اور مسولینی سے ملتے جلتے ہوں گے، اور ان کے نزدیک ملک وقوم کی بہ نسبت خود اپنی ذات کی اہمیت زیادہ ہوگی، لیکن ۲ مارچ کی صبح کو جب نیشنل اسمبلی ہال میں ان کو پہلی مرتبہ کانفرنس کا خطبۂ افتتاحیہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کی شکل وصورت اور لب ولہجہ سے عزم وحوصلہ مندی اور مخلصانہ طور پر اپنے نظریہ کے مطابق ملک وقوم کی خدمت کرنے کے جذبہ کا احساس وادراک ہوا، پھر اس کے بعد ان سے ملاقات اور گفتگو ہوئی تو ان کی شرافتِ نفس، کریم الطبعی اور خندہ جبینی کا شدید وعمیق تاثر ہوا۔

پاکستان اور صدر ضیاء الحق لیکن ان ذاتی خوبیوں اور اوصاف وکمالات کے باوجود صدر ضیاء الحق کی شخصیت پاکستان میں متنازع فیہ ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ آج ایشیا اور افریقہ کا وہ کون سا ترقی پذیر (Developing) ملک ہے جس کے سربراہ اور صدر مملکت کی شخصیت متنازع فیہ نہیں ہے اور اس میں ہنگامے برپا نہ ہوتے ہوں، اس کے برخلاف ترقی یافتہ (Developed) ملکوں کا حال یہ ہے کہ ان میں استحکام (Solidarity) ہے، یک جہتی (One sidedniss) ہے، پارٹیاں وہاں بھی ہیں، لیکن ملک میں وہ افراتفری اور خلفشار وانتشار نہیں جو اول الذکر ملکوں میں ہے۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ قومی نشوونما کی جس منزل میں آج ترقی پذیر ممالک گامزن ہیں ترقی یافتہ ممالک، ایک مدت ہوئی، اس منزل سے گزر کر اب وہاں ہیں جہاں سیاسی وحدتِ خیال وعمل ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سائنس اور ٹکنالوجی، صنعت وحرفت، تجارت وزراعت، علم وفن اور تہذیب وتمدن میں غیر معمولی ترقی کی ہے اور اس کے نتیجہ میں ان ملکوں کے عوام میں خود اعتمادی اور حوصلہ مندی ہے، ان کو اپنے اپنے ملک اور قوم سے سچی محبت اور عشق ہے اور اس بناپر ملکی مسائل پر غور وخوض کے وقت ان کا نقطۂ نظر اجتماعی ہوتا ہے، انفرادی نہیں ہوتا، سیاسی دیانت داری اگر دنیا میں کوئی چیز ہے تو وہ گورنمنٹ میں بھی پائی جاتی ہے اور حزب مخالف میں بھی، اسی لیے ارکان گورنمنٹ ذاتی اغراض ومقاصد کے لیے اپنے عہدوں اور مناصب کا غلط استعمال نہیں کرتے اور ان میں یہ اخلاقی جرأت ہوتی ہے کہ سربراہِ حکومت سے لے کر کابینہ کے ایک رکن تک سے مسلمہ ضابطۂ اخلاق کے خلاف کوئی حرکت سرزد ہو جاتی ہے تو فوراً مستعفی ہو جاتا ہے، پھر تعلیم کے عام ہونے کے باعث ان ملکوں کے عوام ملکی اور قومی اور بین الاقوامی مسائل ومعاملات سے حقیقی دلچسپی لیتے اور ان میں غور وفکر کرتے ہیں، اس لیے کوئی گورنمنٹ ان کو دھوکا نہیں دے سکتی، بہر حال یہ وہ چیزیں ہیں جو ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں کے درمیان نشان فرق وامتیاز ہیں اور جن کی وجہ سے اول الذکر ممالک اتھل پتھل کی حالت میں ہیں اور بے یقینی کا شکار رہیں، اور اس کے برخلاف مؤخر الذکر ممالک ان سے محفوظ ہیں:

پاکستان میں صدر ضیاء الحق کی شخصیت کے متنازع فیہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے پکّے مسلمان ہیں، اسلامی نظام کو قائم کرنے کا بار بار اعلان کرتے رہتے ہیں اور ملک میں اب تک جو آرڈیننس نافذ کیے ہیں وہ سب اسی منزل کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس بنا پر ظاہر ہے ملک کا کمیونسٹ طبقہ جس کا شعار زندگی ہی توڑ پھوڑ اور انقلاب ہے وہ صدر ضیاء الحق کو کیوں پسند کرنے لگا اور خصوصاً وہ نوجوان جو مسٹر بھٹو سے گہرا نظریاتی تعلق رکھتے تھے وہ موجودہ حکومت کے سخت دشمن ہیں، یہ لوگ دو چار نہیں ہیں۔ پورے ملک میں ان کا انڈر گراؤنڈ تخریبی کارروائیوں کا جال پھیلا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے کسی دن بھی کچھ ہو سکتا ہے۔

اب رہا پاکستان کا مذہبی طبقہ تو یہ دو قسم کے لوگوں پر مشتمل ہے، ایک قسم ان لوگوں کی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو بھٹو گورنمنٹ کے ستم رسیدہ تھے اور جنھیں سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ صدر ضیاء الحق کو پسند کرتے ہیں اور ان کے ثنا خواں ہیں، مجھ سے بعض میرے دوستوں نے جو اعلیٰ درجہ کے گورنمنٹ آفیسر ہیں صاف لفظوں میں کہا ہے کہ بھٹو گورنمنٹ کے سرکاری دفتروں میں لوگ اسلام اور اردو زبان کا نام لیتے ہوئے کمتری اور پسماندگی کا احساس کرتے اور ان کے ساتھی ان کو دقیانوسیت کا طعنہ دیتے تھے، لیکن الحمد للہ آج صورت حال یہ ہے کہ اسلام کا نام لیتے ہیں، اردو بولتے اور لکھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں، البتہ مذہبی طبقہ میں ایک قسم ان لوگوں کی بھی ہے جو سیاست سے دلچسپی رکھتے ہیں اور وہ جمہوریت زدہ ہیں۔ یہ لوگ صدر ضیاء الحق کے اگرچہ دشمن تو نہیں ہیں مگر ایسے حامی بھی نہیں ہیں، جمہوریت میں تحریر و تقریر کی مکمل آزادی ہوتی ہے اس لیے دل کی بھڑاس نکلتی رہتی ہے اور آدمی کبھی گھٹن محسوس نہیں کرتا، اس کے برخلاف ڈکٹیٹر شپ میں لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ کسی جبر کے ماتحت زندگی گزار رہے ہیں، اس سے ان کے احساس خودی و آزادی کو ٹھیس لگتی ہے اور اس کا مظاہرہ جلسے، جلوسوں اور احتجاجی سرگرمیوں کی شکل میں ہوتا رہتا ہے۔

اس موقع پر اتنا لکھنا ہی کافی ہے، آئندہ جب ہم پاکستان پر ایک عمومی تبصرہ کریں گے، وہاں نظریۂ پاکستان، اسلامی نظام کیا ہے؟ وہ کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟ اسلام میں جمہوریت کا تصور، اسلامی طرز حکومت، پاکستان میں سیاسی پارٹیاں، پاکستان میں علماء اور جماعت اسلامی کا رول، موجودہ گورنمنٹ کا تنقیدی جائزہ، ان سب مباحث پر کلام کریں گے۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com